جدید عربی شاعری کا تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ایم اے پی ایچ ڈی
صدر شعبۂ عربی کالی کٹ یونیورسٹی

جدید عربی شاعری درحقیقت جنگ عظیم کے بعد کی شاعری کو کہنا چاہئے مگر اس مضمون میں ادب عربی کی متداول تاریخوں کے طرز پر اس کا آغاز نپولین کے مصر پر حملہ اور محمد علی پاشا کے عہد سے قرار دیا گیا ہے۔

★

جدید عربی شاعری وسعت وعظمت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی مالک ہے، اسکی تجدید کا سہرا بارودی کے سر ہے۔ مگر اس تجدید کو قدیم شاعری کے خلاف بغاوت سے تعبیر نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ جدید شاعری اچانک نہیں پیدا ہوگئی، بلکہ تدریجی طور پر عرب شعراء قدامت کے راستے سے تجدید کی شاہراہ تک پہنچے ہیں، جدید شاعروں نے فکروفن کے لئے پہلے عباسی شعراء کی تقلید کی اور "عہد عثمانی" یا عصر ترکی کے شعراء کو پس پشت ڈال دیا، اس جاندار تقلید نے ان کے اندر فن کی پختگی اور عظمت پیدا کی، یہ کیفیت بارودی، شوقی، حافظ رصافی اور زہاوی سب کے یہاں نمایاں ہے۔ پھر ان لوگوں نے مغرب کے نئے رجحان سے اپنے فن کو نئے آفاق دکھائے۔ نئے خیالات، نئی امنگوں اور نئے حوصلوں سے اپنی شاعری کو نئی زندگی و تابندگی عطا کی اور یورپی ادب کی جدید جلوہ طرازیوں سے اس کے اندر نئی چمک دمک پیدا کی۔

بارودی اور شوقی وغیرہ کے یہاں تجدید کی کوشش میں قدیم ادب کے احیاء کی سعی کی گئی ہے۔ اسی بنا پر ان کے یہاں جدیدیت ایک محدود و مخصوص انداز میں نظر آتی ہے، قالب و ہیئت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، حافظ کہتے ہیں:

آن یا شعر ان نفك قيوداً   قيدتنا بها دعاة المحال

اے شعر! وقت آگیا ہے کہ ہم محال امور کے داعیوں کی قید و بند کو توڑ ڈالیں۔

حافظ نے قید تو نہیں توڑی مگر اتنا ضرور کیا کہ شاعری کو زندگی کا نباض بنا دیا اور سماجی شاعری سے اپنے

دیوان کو پیش کر دیا، حافظ سے زیادہ بڑا اور عظیم تجدیدی کام دراصل شوقی نے انجام دیا ہے۔ انہوں نے عربی شاعری میں ڈرامہ نگاری کا آغاز کیا، یہ ایک بالکل نیا قدم تھا، عربی ادب تمثیلی شاعری سے ناآشنا تھا، انہوں نے مصرع کلوپیٹرا، مجنوں لیلیٰ اور قمبیز وغیرہ ڈرامے لکھے، چونکہ انہوں نے یورپی ڈرامہ کا فنی مطالعہ نہیں کیا تھا، اس لئے تمثیلی شاعری کے لئے نئے اوزان کی تشکیل کی جانب توجہ نہ کر سکے، ورنہ وہ ڈرامہ کی معراج تک پہنچ جاتے، عملی طور پر بھی ان کے ڈرامے کمزور سمجھے گئے، ڈرامہ کے لئے اسٹیج کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

دراصل اس دور میں کمی بنیادی نظریہ کی ہے، حافظ و شوقی کسی کے یہاں بھی فلسفۂ حیات، فلسفۂ فطرت، اور اعتماد و ایقان کی انقلاب انگیز کیفیت نہیں پائی جاتی ہے۔ محض جدید ایجادات و اختراعات کا ذکر یا سیاسی و سماجی واقعات کا بیان ہی تجدید شاعری نہیں ہے۔

جدید تصور شاعری ایک تصورِ حیات اور ایک نظامِ فکر ہے، شعرا ایک نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر شعر کہتے ہیں، اور زندگی کو اسی پیمانے سے ناپتے ہیں، شاعری کو اتفاقی القا قرار دینا دورِ جدید کا اندازِ فکر نہیں ہے۔ اب تو "شعوری الہام" ہوتا ہے، ایک فلسفۂ حیات کے ذریعہ آلام روزگار کا حل اور ایک مربوط و منظم نظامِ حیات کی راہ سے مسائل کی تلاش، انسانی طبقات کے کچلے ہوئے افراد سے ہمدردی اور غمگساری تجدید کی اعلیٰ قدر ہے، یہ تغیر حافظ و شوقی کے بعد پیدا ہوا اور شعراء نے مغرب سے کسب فیض کیا، مثلاً اکثر جدید شعراء اور شعرائے مہجر دمالوی تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں، تقلید کا یہ عالم ہے کہ بہت سے عرب شعراء نے عربی انداز چھوڑ کر بالکل مغربی انداز کی نظمیں لکھنی شروع کر دیں، ان کی نظر میں عربوں کا اسلوب شاعری دورِ جدید کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ فن کے پیمانے کسی قوم کے اندر ایک طویل عرصہ کے بعد وجود میں آتے ہیں، ان کو اچانک متروک قرار دینا آسان نہیں ہے۔ عربی شاعری کے روایتی طرز کو ترک کر کے پورے طور پر مغربی انداز کا اختیار کر لینا ممکن نہیں ہے۔ اسی بنا پر آزاد نظموں کو ابتک اتنی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جتنی قدیم اصناف سخن کو حاصل ہے۔ قدیم فنی روایتوں کو طاقِ نسیاں کے حوالہ کئے بغیر بھی جدید راہوں پر گامزنی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً بہت سے شعراء نے عربی شاعری کے قدیم طرز پر بھی عمدہ اور مؤثر نظمیں لکھی ہیں۔ اور جدید انداز میں بھی شعر کہہ کر شاعرانہ عظمت و کمال کے جلوے دکھائے ہیں، شعرائے محافظین یعنی بارودی، حافظ اور شوقی وغیرہ کی کامیابی کا راز یہی ہے۔ اس کے برعکس اس طبقہ کو جو محض یورپ کا نقال ہے۔ زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی، کیونکہ اس نے مغربی افکار و تصورات کو مغربی اسالیب میں پیش کرنے کی کوشش کی۔

جدید عرب شعراء نے مغربی فلسفہ کا گہرا مطالعہ نہیں کیا ہے، اس لئے ان کے یہاں سطحی تقلید ہے، اسی بناء پر مغرب زدہ شاعری میں ہمیں کوئی خاص لذت و حلاوت نہیں ملتی۔ یہ صورتِ حال اس وقت تک باقی رہے گی، جبتک کہ عربی اور مغربی مآخذ سے یکساں کسبِ فیض نہ کیا جائے۔[۱]

مغربی مذاقِ سخن پیدا کرنے کے لئے صرف یورپی تہذیب ہی سے کسب فیض کافی نہیں ہے، بلکہ یورپی اساطیر اور یورپی فلسفہ کا عمیق مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔ طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب "حافظ و شوقی" میں لکھا ہے کہ شوقی اگرچہ فرانسیسی جانتے تھے، مگر انہوں نے فرانسیسی ڈرامہ اور ادب کا گہرا مطالعہ نہیں کیا تھا اس وجہ سے ان کے کلام میں زیادہ گہرائی نہ پیدا ہوسکی، مغربی تہذیب نے خود قدیم یونانی، رومانی اور عربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے اپنا چراغ روشن کیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جدید عربی شاعری میں کوئی "اقبال" پیدا نہ ہوسکا، مگر جہاں تک موضوعات شاعری کا سوال ہے، اس میں ہمیں مایوسی نہیں ہوتی، عربوں نے جدید شاعری کا ایک عظیم ذخیرہ ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ جو قوس و قزح کی طرح رنگین، بوقلموں اور دلکش و پرکیف ہے۔ اس میں قدماء کی طرح شکوے، مبارکبادیاں، تاریخ پیدائش و وفات، مراثی و غسل صحت، اور قصائد و ہجویات کا دفتر بے پایاں نظر نہیں آتا، مگر اس میں اجتماعی اور انفرادی انسانی زندگی کے متعلق جذبات و احساسات کا گہرا شعور نظر آتا ہے، اور سیاسی، وطنی، معاشی اور معاشرتی حالات کی موثر تصویر نگاہ کے سامنے آجاتی ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جدید عربی شاعری کا آغاز دراصل نپولین کے حملے سے ہوتا ہے۔ نپولین نے ۱۷۹۸ء میں مصر پر حملہ کیا، اس نے نہ صرف مصریوں میں نئی زندگی پیدا کی بلکہ اپنے ساتھ ماہرین آثارِ قدیمہ کی ایک جماعت بھی لایا، جس نے مصر کی قدیم تہذیب اور عہدِ رفتہ کی عظمت کو زمین کے سینوں سے کھود کر نکالا۔ انہوں نے فرانسیسی زبان میں رسالے بھی جاری کئے، اس طرح اہل مصر کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا۔

عرب ملکوں میں اہل یورپ نے بہت سے مشنری ادارے قائم کئے، روس، امریکہ اور فرانس نے اس طرح کے کالج لبنان میں کثرت سے کھولے، چونکہ عربوں میں مذہبی پختگی تھی، اس لئے ان کو عیسائی بنانے میں تو کامیابی نہ ہوسکی، مگر فرنگیوں کی ہوشیاری نے انہیں اپنا آلۂ کار بنالیا، ڈاکٹر احمد امین فیض الخاطر میں لکھتے ہیں کہ عربوں میں غیر ملکی درسگاہیں کثرت سے کھولی گئیں، حتیٰ کہ صرف شام میں ان کی تعداد ۱۷۲ تک پہنچ گئی، یہ صرف امریکی مشنریوں کے مدارس تھے جو گاؤں اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، چھوٹے بچوں کی درسگاہوں

---

[۱] الفن و مذاہبہ فی الشعر العربی ۱۹۴۳ء از شوقی الضیف ص ۵۱۳ - ۵۱۹

سے لیکر اعلیٰ تعلیمی ادارے غیر ملکی مشن چلاتے تھے، بیروت، قاہرہ اور استنبول میں امریکن یونیورسٹیاں قائم تھیں، ان اداروں میں مسلم طلبہ کو زبردستی چرچ لے جایا جاتا تھا۔ اور ان سے عیسائی طرز پہ عبادت کرائی جاتی تھی، جب طلبہ نے احتجاج کیا تو اصحاب حل وعقد نے کہا کہ ہم بالداروں سے بڑی بڑی رقمیں عیسائیت کی تبلیغ کے نام پر حاصل کرتے ہیں، اگر ہم مذہب کا عنصر نکالدیں تو ہمیں کون مدد دیگا۔ ؎۱

یہ ادارے سیاسی طور پر استعماری جڑوں کو مضبوط کرنے، طلبہ کے ذہن میں الحاد پیدا کرنے اور مذہبی شکوک کو ابھارنے کی کوشش کرتے تھے، ان اداروں نے عربوں میں جدیدیت، اصلاح شعر و ادب کا خیال دلایا۔

فرانسیسیوں نے ایسے تھیٹر بھی قائم کئے جن میں ڈرامے دکھاتے تھے، مصر میں انہوں نے دو ایسے جدید مدرسے بھی قائم کئے جن میں فرانسیسی لڑکوں کی تعلیم کا انتظام تھا، ایک بڑا کتب خانہ بھی قائم کیا، جس میں یورپ کی بیشمار جدید کتابوں کے ساتھ عمدہ اور نادر عربی تصنیفات بھی تھیں، اور وہ مخطوطات بھی تھے جو انہوں نے مسجدوں اور دوسری جگہوں سے جمع کر لئے تھے، جو اس کتب خانہ سے فائدہ اٹھانا چاہتا وہ بڑی خوشی سے اس کو اجازت دیتے تھے۔ ؎۲

اسی کے ساتھ فرانسیسیوں نے ایک مجلس "المجمع العلمی" کے نام سے قائم کی جو حکومت مصر کے مختلف پہلوؤں کے متعلق مواد فراہم کرتی تھی، اس مجلس کے ذریعہ بہت سے اقتصادی، تاریخی اور ثقافتی امور سامنے آئے اور مصر کے قدیم تہذیبی آثار نمایاں ہوئے اور ایک کتاب وصف مصر (DRICKIFTION OF EGYPTE) کے نام سے شائع کی، ازہر کے نو ۹ علماء کو نپولین نے مصری حکمران مجلس میں شریک کیا، اس ترکیب سے مصریوں کو حکومت میں شرکت کا خیال دلاکر ترکوں کیطرف سے استبداد کا خیال ذہن نشین کیا۔

محمد علی جب مصر کا والی ہوا تو ایک طرف اس نے اعلیٰ قسم کی جدید درسگاہیں کھولیں اور دوسری طرف طلباء کے ایک گروہ کو جدید علوم و فنون کی تحصیل کے لئے فرانس روانہ کیا جو آگے چل کر مصر اور یورپ کے درمیان واسطہ بنے، ان لوگوں نے ترجمہ کی مہم چلائی، جدید اصطلاحات وضع کیں اور بہت سا نیا لٹریچر تیار کر دیا۔ ؎۳

اس جماعت میں رفاعۃ الطہطاوی نے کافی علمی خدمات انجام دیں، اسی کے مشورہ سے محمد علی نے زبانوں کا ایک ادارہ قائم کیا جس میں ایک ہزار سے زائد مغربی زبانوں سے کتابیں عربی میں منتقل کی گئیں، فرانس کے دستور کا ترجمہ بھی کیا گیا، اور بہت سے فرانسیسی شاعروں کا کلام عربی میں منتقل کیا گیا، محمد علی نے ایک اعلیٰ درجہ کا مطبع بھی قائم کیا، جو "المطبعۃ الامیریہ" کے نام سے مشہور ہوا، جس سے الوقائع المصریہ رسالہ نکلنے لگا۔

؎۱ فیض الخاطر ج ۱۰ ص ۱۵۰ ؎۲ تطور الشعر العربی الحدیث ص ۱۳ ؎۳ ایضاً ص ۱۵

جب اسمٰعیل تخت حکومت پر آیا تو اس کا علمی ذوق محمد علی سے زیادہ ترقی یافتہ تھا، اس نے ساری یورپ کی علمی و تہذیبی ترقیوں کو سمیٹ لینے کا قصد کیا، اس نے ۲۰ وفود تعلیم کے لئے فرانس روانہ کئے، اس طرح اسمٰعیل کے زمانہ میں اسکولوں، کالجوں، اخباروں اور رسالوں سبھی چیزوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا، چند برسوں میں ملک کی ذہنی حالت بدلنے لگی۔

اسی زمانہ میں عربوں میں اپنے قدیم ذخیرۂ علوم کو مرتب کرنے اور پرانے ادب کے احیاء کا خیال پیدا ہوا آغانی، تاریخ ابن خلدون، وفیات الاعیان وغیرہ بہت سی اہم کتابیں زیر طباعت سے آراستہ ہوگئیں جسکی وجہ سے تصنیف و تالیف کا مذاق سوسائٹی میں عام ہوگیا۔

اس سلسلہ میں مستشرقین کی خدمات بھی بہت اہم ہیں، انہوں نے عربی کی نادر کتابوں کو شائع کرنے اور مرتب کرنے میں بڑا حصہ لیا۔

پھر جب انگریزوں کا نفوذ بڑھا تب بھی علمی و تہذیبی سرگرمیاں عربوں میں جاری رہیں، اور مغرب کے اثر سے قومی جذبات برانگیختہ ہونے کی وجہ سے تحریک آزادی پورے جوش کے ساتھ شروع ہوگئی، اسی زمانہ میں سید جمال الدین افغانی اور ان کے شاگردوں کی تحریک اصلاح نے قومی کارکنوں اور حریت کے علمبرداروں کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا اور آزادی کے جذبہ کے ساتھ انہیں اسلام سے بھی وابستہ رکھا، افغانی اور شیخ عبدہٗ کے اثرات سے اس دور کا نہ کوئی ادیب محفوظ تھا اور نہ شاعر،

سید علی درویش، عبداللہ فکری اور ناصف الیازجی وغیرہ کی شاعری جدید دور سے بالکل الگ ہے۔ لیکن ان کے بعد انیسویں صدی کے نصف آخر میں جو شعراء سامنے آتے ہیں، ان کے یہاں صنائع و بدائع کسی حد تک کم ہیں بلکہ ان کے اسلوب میں تجری وغیرہ کے اثرات ہیں، کیونکہ اس زمانہ میں قدیم لٹریچر پڑھنے کا نام ذوق پیدا ہوگیا تھا، جسکا ذکر پہلے ہو چکا۔

صالح مجدی جس کا انتقال ۱۸۸۱ء میں ہوا، مصر پر غیر ملکیوں کے نفوذ سے نفرت ظاہر کرتا ہے، اور اپنی سوسائٹی کے احساسات کا اس طرح اظہار کرتا ہے۔

ومن عجب فی السلم انی بوطنی　　اکون اسیرا فی وثاق الاجانب

تعجب کی بات ہے کہ میں امن کی حالت میں اپنے وطن میں غیر ملکیوں کے چنگل میں اسیر پڑا ہوں۔

ولا ینثنی عن مصر فی ای حالۃ　　الی اہلہ الا بملء الحقائب

غیر ملکی جب بھی مصر سے جاتے ہیں تو اپنی جیبیں بھرے جاتے ہیں۔

وہ اہل وطن سے پکار کر کہتا ہے:

یا بنی الاوطان ھیا خیمو فوق الثریا

اے ابنائے وطن آؤ اور ثریا کے اوپر خیمے نصب کرو۔

بارودی کی اس طرز شاعری کو ان کے بعد عبدالمطلب، رافعی، قایاتی، جارم اور کاظمی نے اپنایا، یہ شعراء محافظین اس بنا پر کہلاتے ہیں کہ ماضی سے انہوں نے جو وراثت پائی تھی اس کو پوری طرح قائم رکھا، انہوں نے عصر عباسی و اموی کی شاعری کو نمونہ سمجھا اور قرآن سے بھی استفادہ کیا[۱] لیکن جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، ان شعراء نے اچھا خاصہ تاثر اپنے زمانہ کے حالات سے بھی قبول کیا۔

جارم مغرب کے اثر سے تجدد کا دعویٰ کرنے والے شعراء کا ان الفاظ میں مذاق اڑاتا ہے۔

جلبوا للقریض ثوبا من الغرب ولم یجلبوا سوی الاکفان

شعر کے لئے مغرب سے لباس لائے (لیکن یہ) کفن کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

لا تثوروا علی تراث امرئ القیس وصونوا دیباجة الذبیانی

امرئ القیس کی وراثت پر حملہ مت کرو اور ذبیانی کی وجاہت کو بچاؤ۔

لیکن یہ گروہ جدید احساسات بھی رکھتا ہے، چنانچہ جارم سعد زغلول کے مرثیہ میں ان کی قومی خدمات کو ان الفاظ میں سراہتا ہے،

واصاب فی المیدان فارس امة رفع الکنانة بعد طول نضال

ایک امت کے شہسوار کو میدان میں ایک طویل جنگ کے بعد ہلاک کر دیا۔

من ذالک النمر الوثوب وذالک الاسد المزئیر ذوالندام العالی

کون ہے یہ کودنے والا چیتا؟ اور یہ اونچی آواز والا شیر!

سوسائٹی کے مسائل سے بھی یہ شعراء اسی طرح تعرض کرتے ہیں، جسطرح سے یہ لوگ وہ موضوعات پیش کرتے ہیں۔ جو قدماء کے یہاں رائج تھے، رافعی اہل عرب کے انحطاط کا نوحہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

الست تری العرب الماجدین وکیف تھدم مجد العرب

کیا تم شریف عربوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ (اس دور میں) کس طرح عرب کے مجد کو ڈھا رہے ہیں۔

عبدالمطلب مغربی تہذیب کے فحش ماحول کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

یا منزل القرآن نو راً للبصائر والعقول

اے قرآن نازل کرنے والے جو عقل و بصیرت کے لئے نور ہے۔

عمیت بصائر اھل وا دی النیل عن وضح السبیل

اہل وادی نیل کی نگاہیں واضح راستہ سے ہٹ گئی ہیں۔ (اندھی ہو گئی ہیں)

قابانی کہتا ہے :

حذار حذار ان تصاد ظباءکم — فیرتد ذالک الحسن غیر مصون

بچو بچو اس بات سے کہ تمہاری ہرنیاں شکار کرے جائیں اور پھر یہ حسن غیر محفوظ ہو کر لوٹے۔

ان شاعروں کے بعد جن شعراء کا دور آتا ہے وہ ان مذکورۂ بالا شاعروں سے کہیں زیادہ تجدد پسند اور مغربی تہذیب سے متاثر ہیں، لیکن اس کے بعد بھی وہ فنی طور پر قدیم ہی طرز کی شاعری کے حامل ہیں۔ ان کے یہاں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ شکل کے بجائے معانی میں ہوئی ہیں۔ اس طبقہ نے وطنی و سیاسی شاعری کو غیر معمولی طور پر فروغ دیا، اس طبقہ میں شوقی، حافظ، صبری، کاشف، عزیز فہمی، ماحی، عبدالغنی اور عزیز اباظہ وغیرہ شامل ہیں۔ (باقی آئندہ)

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی ایک عظیم تاریخی پیشکش

وفیات نمبر

یعنی

ملت اسلامیہ کی اسی صدی کی باکمال ہستیوں، اکابر و مشائخ، مشاہیر علماء و فضلاء اور اللہ کے نیک و صالح بندوں کی وفات پر الفرقان میں ۱۹۳۲ء سے ۱۹۷۲ء تک لکھے جانے والے تعزیتی مضامین اور سوز و اثر میں ڈوبی ہوئی تحریروں کا ایک جامع انتخاب۔

جون ۱۹۷۷ء میں شائع ہو گیا ہے

ضخامت دو سو صفحات، قیمت پانچ روپے

زر سالانہ پچیس ۲۵ روپے

حفاظت سے طلب کرنے کے لئے دو ۲ روپے رجسٹری فیس ارسال کریں۔

مینجر ماہنامہ الفرقان - ۳۱ نیا گاؤں مغربی۔ نظیر آباد۔ لکھنؤ-۱

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ

سیکرٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ۔ آسٹریلین بلڈنگ - لاہور